

اًسلامی متبادل کے فلسفہ کا جائزہ

محمد احمد صدیق مغل

مسلم دنیا میں مغربی فکر و فلسفہ اور سرمایہ دارانہ اداروں کے خلاف جو عمل سامنے آئے انہیں تین عمومی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

﴿ اولاً راسخ العقیدہ علماء کرام کا طبقہ جو سرمایہ داری کو ایک مکمل مرجاہی نظام زندگی کے طور پر پیچان کرائے کلیتاً رد کرتا ہے اور احیائے اسلام کیلئے اسکا مکمل انہدام ضروری تصور کرتا ہے ﴾

﴿ دوئم وہ جدیدیت پسند (modernist) گروہ جو مغرب کو اصل اسلام گردان کر اسلام کو مغربی اور شوون پر منطبق کرنا یعنی چاہتا ہے، اور westernization of Islam ﴾

﴿ سوئم وہ ترمیم پسند (revisionist) مفکرین جنکے خیال میں مغرب اور اسلام میں اصولی اور بنیادی نوعیت کی مثالیت ہے اور جو سرمایہ دارانہ اداروں کو غیر اقداری اور فطری تصور کرتا ہے۔ یہ گروہ 'مغرب میں جواہر' ہے وہ لے لو اور جو برائے اسے چھوڑ دے کے فلسفہ پر عمل پیزا ہو کر سرمایہ دارانہ اداروں میں چند جزوی اور عملی (operational) ترمیمات و اصلاحات کے ذریعے انکا اسلامی متبادل تیار کرنا ممکن سمجھتا ہے، چنانچہ یہ مفکرین ہر سرمایہ دارانہ ادارے اور مظہر کا اسلامی اور یمنی متبادل پیش کرتے ہیں جسکی واضح ترین مثالیں اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشریات و بینکاری، اسلامی انسانی وی، اسلامی سائنس وغیرہم ہیں۔ یہ گروہ پورے خلوص کے ساتھ Islamization of west کی شوری حکمت عملی میں مصروف ہے ﴾

اس تیسرا گروہ کی حکمت عملی پر جب کبھی اصولی تقدیم کی جائے تو اس تقدیم کا کوئی علمی جواب دینے یا اپنی اصلاح کرنے کے بجائے 'اچھا تو آپ اسکا قابل عمل متبادل لائیے' کا مطالبہ جڑ دیا جاتا ہے اور اگر فی الفور یہ مطالبہ پورا نہ کیا جائے تو یہ گروہ اپنی غلط حکمت عملی پر کاربندر ہے کوہی اپنی فتح اور اسلام کی اصل خدمت فرض کرتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں ہم 'اسلامی متبادل' کے فلسفے کے مضرات بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ چونکہ متبادل کا یہ مطالبہ سب سے زیادہ شدومد کے ساتھ اسلامی ماہرین معاشریات کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے لہذا مضمون میں ہم بالعوم اسی گروہ کے تناظر پر گنتگو کریں گے۔ پہلے ہم 'اسلامی متبادل' کے اس فلسفے کا مفہوم بیان کر کے پھر اسکے مضرات پر کلام کریں گے و ماتوفیق الابال اللہ

ا۔ 'قابل عمل متبادل' کا مفہوم

دور حاضر میں قابل عمل (workable and practical) متبادل سے مراد یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ موجودہ نظام زندگی کے اندر رہتے ہوئے ایسا انتظام کیا جائے جو اسکے تمام تقاضوں کو اسلامی طریقے سے پورا کرے (مثلاً اسلامی بینکاری و جمہوریت وغیرہ)۔ اصلاً اس مطالبے میں جو بات کہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ:

- دور حاضر کے تباخے عین فطری اور حقیقی ہیں

- نظام (life-world) اور تقاضے بہر حال یہی رہنے چاہئیں

- اسلام کو ان تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا ہے، بصورت دیگر وہ قابل قول نہیں ہوگا

ظاہر ہے یہ تمام مفروضے اور مطالبات باطل ہیں کیونکہ نہ تدویر حاضر کے تقاضے حق ہیں اور نہ ہی اسلام کو ان سے ہم آہنگ ہونا ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ تدویر حاضر نے جو تقاضے پیدا کئے ہیں وہ تقاضے ہی باطل ہیں۔ ہمارا کام اسلام کی اصلاح کرنا نہیں بلکہ زمانے کی اصلاح کرنا ہے کیونکہ ہر دور کو اسلام کے ابدی اصولوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا ہوگا، یہی اصول میزان و معیار حق و باطل ہیں۔ یہ بات نہایت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اسلام سے ماوراء اور اس سے باہر حق، خیر اور عدل کا کوئی تصور سرے سے موجود نہیں اور نہ ہی تعلیمات انبیاء کے علاوہ انکی تعین کی کوئی بنیاد ہے۔ اسی طرح معاملہ نہیں کہ اسلام بہت سے تصورات حق میں سے ایک حق ہے اور اسلام کا مقابلہ کسی دوسرے تصور حق سے ہے بلکہ نوعیت معاملہ یہ ہے کہ اسلام ہی واحد حق ہے اور اس سے باہر جو کچھ ہے وہ محض باطل اور جالمیت ہے۔ لہذا اسلام کو کسی دوسرے نظام زندگی میں تلاش کرنا یا اسلامی تعلیمات کو کسی دوسرے نظام کی تعلیمات میں پہچانا ایک غیر علمی روشن ہے، چاہے یہ کوشش اسلامی جمہوریت کے نام پر کی جائے یا اسلامی بینکنگ و سائنس وغیرہ کے نام پر۔

۲۔ 'قابل عمل مقابل' کا تجزیہ

☆ مقابل سے قبل غور و فکر کی ضرورت: اس میں شک نہیں کہ امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا حل تلاش کرنا ضروری ہے مگر اس سے قبل جس علمی و فکری غور و فکر کی ضرورت ہے اس کا حق ادا کرنا بھی لازم ہے۔ مسائل کے حل سے پہلے ایک نوعیت اور تہذیبی پس منظر کو سمجھنا نہایت اہمیت کا حامل ہے، بصورت دیگر یا تو مسئلے کی تشخیص ہی غلط ہوگی اور یا پھر غلط اور لا تعلق علاج تجویز کر دیا جائے گا جیسا کہ اسلامی معاشیات کی مثال سے واضح ہے، جہاں اسلامی ماہرین معاشیات نوعیت مسئلہ ہی سے بے خبر ہیں۔ اسلامی ماہرین معاشیات پر سرمایہ دارانہ عمل اور سوشن سائنسز کا اس عمل سے تعلق کی حقیقت واضح نہ ہونے کے باوجود اسکا اسلامی مقابل پیش کرنا اور اس مقابل کے حق ہونے پر بعندہ ہونا ایک افسوس ناک روایہ ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ مقابل تجویز کرنے والے شخص کی مغربی فکر و فلسفے، فلسفہ سائنس، سرمایہ دارانہ عمل اور سوشن سائنسز کی حقیقت پر گہری نظر ہو بصورت دیگر ہر کوشش ایک کے بعد دوسری غلطی کے متراff ہوگی۔ جس طرح ضروری علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کئے بغیر جو بھی اجتہاد کیا جاتا ہے وہ اجتہاد کے بجائے فساد کا باعث ہی بنتا ہے اسی طرح سرمایہ دارانہ عمل کی حقیقت واضح ہوئے بغیر مغربی مظاہر کے مقابل تجویز کرنا خطرناک اور گمراہ کن مناجح کا باعث بنتا ہے۔

☆ باطل مسائل کا حل تلاش کرنے کی جدوجہد: تہذیبی اور فکری پس منظر سے بے خبر حکمت عملی کا ایک متفقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے مسائل و تقاضوں کا حل اور مقابل تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو سرے سے اسلامی معاشرے میں پیدا ہیں ہو سکتے۔ ایسے جدید (مگر باطل) تقاضوں کی بناء پر ابھرنے والے پیش آمد مسائل کا نام نہاد اسلامی مقابل پیش کرنے کا مطلب ان غیر اسلامی تقاضوں کی آبیاری اسلام کے نام پر کرنا ہوتا ہے۔ کسی باطل مطابق لے کو پورا کرنے کا کوئی جائز طریقہ پیش کرنا ہرگز کوئی اسلامی کام نہیں بلکہ اس باطل تقاضے خود کو ختم کر دینا ہے۔ جس طرح زنا کاری کا کوئی جائز طریقہ تجویز نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح حرص وحد کے فروع کا کوئی حلال طریقہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بات تو طے ہے کہ اسلامی تاریخ میں سو دوسرے کے بازار (یعنی بینک اور اسٹاک ایکچیخ) کا کوئی ذکر موجود نہیں، یعنی یہ ایک غیر اسلامی نظام زندگی کی پیداوار ہیں تو پھر اسکے اسلامی مقابل کا کیا معنی؟ فتحہ خانوں کو فقہی اصولوں کے مطابق ثابت کردینے کے بعد انہیں فتحہ خانوں کا اسلامی مقابل کہنا کم علمی کے سوا اور کچھ نہیں۔ حریت ہے جو علماء بزرگان دین کے عروض کو ہندو تہذیب کا شاخہ سانہ قرار دیکر انہیں بدعت قرار دیتے ہیں وہ مغربی تہذیب و

تاریخ سے برآمد شدہ اداروں کو اسلامی تعلیمات میں کیسے سمو لیتے ہیں؟ آخروہ ان عروش کو ہندو تہذیب سے مقابلے کیلئے 'اسلامی تبادل' کے فلسفہ پر جانچ کر کیوں نہیں اپنا لیتے؟ آخر یہ دو ہری پالیسی کیوں روا رکھی گئی ہے؟ موجودہ سودی بینائیں کا اسلامی تبادل پیش کرنے کا معنی یہ ہے کہ اسلام ہمیں ان مقاصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے جو سودی نظام کے مقاصد ہیں۔ پس جانا چاہئے کہ اسلام کا کام باطل تقاضوں کو پورا کرنا نہیں بلکہ انہیں نیست و نابود کرنا ہے (باطل مسائل کا حل تلاش کرنے کی عدمہ مثال آگے آ رہی ہے)۔

☆ مقاصد سے سہونظر کرنے کی غلطی: موجودہ دور کے باطل مسائل کا اسلامی حل تلاش کرنے کی ایک اہم وجہ کل کے بجائے جز کی بنیاد پر فتوی دینا ہے۔ اسلامی مفکرین ہر مغربی ادارے کو اسکی کلیت (totality) سے علیحدہ کر کے جزوی مماثلوں کی بناء پر اسلام اور مغرب میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جسکی مثالیں جمہوریت و معاشیات وغیرہ کی اسلام کاری ہے۔ معنویت کسی شے کی کلیت میں ہوتی ہے اور جب اسے اجزاء میں توڑ کر دیکھا جائے تو اسکی معنویت او جعل ہو جاتی ہے۔ اسلامی مفکرین لبرل معاشری و سیاسی تنظیم (یعنی مارکیٹ اور جمہوریت) کو ان کے مقاصد سے علی الرغم محض غیر اقداری اور مجرد ساخت و طریقہ کار (technical operational processes and structures) کے طور پر پہچانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ فرض کرتے ہیں کہ یہ ادارے اور ساخت آفاقی حیثیت رکھتے ہیں اور انکے ذریعے ہر قسم کے مقاصد کا حصول ممکن ہے۔ ظاہر ہے علمی طور پر یہ ایک لغو مفروضہ ہے کیونکہ ساخت اور مقصد کا تعلق جسم و روح کی مانند ہے۔ چنانچہ یہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ اسلامی بینائی کاری کو جائز کرنے کیلئے اسلامی ماہرین معاشیات نے یہ عجیب و غریب فلسفہ تراشا ہے کہ اسلام میں جائز و ناجائز کا فرق طریقہ کار پر بنی ہوتا ہے۔ اس فلسفے کی دلیل کیلئے عموماً اس قسم کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں، (۱) اگر جانور بسم اللہ پڑھ کر زندگی کیا جائے تو وہ حلال ہوتا ہے بصورت دیگر حرام، دیکھئے فرق صرف طریقہ کار کا ہے، (۲) اگر مرد دعورت دو گاہوں کی موجودگی میں چند بول پڑھ کر ایک دوسرے کو اپنا میں تو انکار شدہ جائز ہو جاتا ہے بصورت دیگر زنا قرار پاتا ہے، دیکھئے یہاں بھی فرق صرف طریقے کا ہے۔ اہل علم حضرات پران مثالوں اور ان سے اخذ کردہ نادر اصول کی غلطی عین واضح ہے۔ پہلی مثال کا تعلق ایسے امور سے ہے جو حکمی یا معنوی ہیں نہ کہ حقیقی یا صوری، اور حکمی مسائل کی بناء صرف و صرف حکم ہوتی ہے، مگر سوال یہ ہے کہ معاشر تنظیم جیسے مسائل حقیقیہ کا سپر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا؟ دوسری مثال تو بالکل یہ غلط ہے کیونکہ شادی ہرگز زنا کا تبادل نہیں کیونکہ زنا کا مقصد محض شہوت زنی کرنا جبکہ شادی کا مقصد عفت و عصمت کی حفاظت، عمر بھر ساتھ نہ جانے کا پر خلوص عہد، انسانی نسل اور نسب کی حفاظت کیلئے خاندانی زندگی کی ذمہ داریوں کو قبول کر کے صالح معاشرت کے فروع کی کوشش کرنا ہے۔ شادی کا مقصد شہوت زنی نہیں یہ بات خود قرآن نے بیان فرمائی (نساء: ۳۲-۳۵، النور: ۳۲)۔ اگر شادی محض زنا کا تبادل ہے اور دونوں میں فرق محض طریقہ کار کا ہے تو متعدد بھی جائز ہونا چاہئے نیز اسلامی تجہیز خانے بنانے کی اجازت بھی دی جانی چاہئے۔ اگر یہ اچھوتو اصول شریعت اسلامی کی درست تعبیر ہے تو پھر زکوہ بچانے کا جیلہ بھی جائز اور قابل فروع ہونا چاہئے کہ سال کے آخر میں چند روز کیلئے اپنی دولت یوں کے نام کر کے پھر واپس لے لی جائے کیونکہ یہاں بھی طریقہ کار (process) شرعی اصولوں کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں اعمال کی صحت کا مدار محض انکی ظاہری صورت پر ہی نہیں بلکہ انکے مقاصد پر بھی مخصوص ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر فقہ کے مشہور قاعدے الامر بمقاصدها (یعنی معاملات کو انکے مقاصد کے اعتبار سے دیکھا جائے گا) کا کیا معنی ہے؟ آخرا صول فقر کی کتب میں مقاصد الشریعہ کی بحثوں کا تناظر کیا ہے؟

☆ 'اسلام دین ہے' کا غلط مفہوم: 'اسلام دین یعنی نظام زندگی ہے' کا غلط طور پر یہ مفہوم سمجھ لیا گیا ہے کہ اسلام کے پاس چند ایسے ابدی اصول ہیں جنہیں کسی بھی نظام زندگی میں برداشت کر سکتا ہے نیز اسلام ہر دور کے تقاضوں کے ساتھ چلنے کی بھر پور صلاحیت رکھتا

ہے۔ یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ اسلام دین ہے کا اصل معنی یہ ہے کہ اسلام انسانی زندگی کو خود اپنے اصولوں اور اقدار پر اس طرح مرتب کرتا ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اسکی گرفت سے باہر نہیں رہتا ہے یہ کہ اسلام دیگر نظام ہائے زندگی میں فٹ ہو جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس غلط معنی کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کسی معین (definite) شے کا نہیں بلکہ چند اصولوں کا نام ہے اور وہ بھی ایسے نہیں کہ جن کی طبقہ کسی بھی نظام کے ساتھ کرنا ممکن ہے۔ یہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ مسلم مفکرین موجودہ دور کے ہر مظہر کو اسلام سے ثابت کرنے کی فکر میں بیتلار ہتے ہیں، یعنی اگر آج کی دنیا جمہوریت پر فدا ہے تو وہ اسلام سے بھی جمہوریت نکال لاتے ہیں، اگر آج کا انسان حرص و حسد کے فروغ کیلئے کار پوریشن اور بینک چاہتا ہے تو اسکے خیال میں اسلام بھی اسکا مقابل فراہم کر سکتا ہے، اگر آج کا انسان سائنس کو علم سمجھتا ہے تو انکے نزدیک یہ سائنس اسلام ہی کی عطا ہے، اسی طرح اس غلط مفہوم کی بناء پر اسلام کو کبھی سو شلزم اور کبھی لبرزم سے نقصی کر دیا گیا۔ یعنی یہی غلطی اسلامی ماہرین معاشیات کو بھی لاحق ہوئی کہ بجائے اس کے کوہ بیننگ وغیرہ کو مقاصد الشریعہ کے منہاج پر جانچ کر اسے رد کر کے اسلامی معاشرتی و سیاسی تقطیع سازی کی کوشش کرتے وہ اسکا اسلامی مقابل (parallel) پیش کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ظاہر ہے باطل تقاضے پورا کرنے کا جو بھی حیلہ اپنایا جائے گا وہ بہر حال باطل مقاصد ہی کو فروغ دے گا اور اس بات کا احساس معاملہ نہیں اسلامی ماہرین معاشیات کو بھی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام کا میاب انسانی زندگی کا اپنا ایک مکمل تصور رکھتا ہے جسکے اپنے مخصوص تقاضے ہیں اور اسلام اس تصور میں کسی غیر نظام اور اسکے تقاضوں کی آمیزش قبول کرنے پر تیار نہیں۔ موجودہ دور کے بہت سے باطل تقاضوں کے بارے میں اسلام اپنے تبعیں سے 'صبر' کا تقاضا کرتا ہے۔ شادی کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اسکا حل متعہ بازنہ کرنے کا شرعی طریقہ ایجاد کرنا نہیں بلکہ صبر اور روزے رکھنا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا۔ عہد جدید کے جدیدیت پسند انشوروں کا مسئلہ یہی ہے کہ وہ مغربی تہذیب، فلسفہ اور اداروں کے پیدا کردہ مسائل کا حل یا مقابل اسلام میں ڈھونڈنا چاہتے ہیں جب کہ اس کا حل صرف یہی ہے کہ اس تہذیب سے کامل برات کا اعلان کر کے اسے کفر قرار دیا جائے، اس کفر کے خاتمے کے لیے ہر سطح پر ہر قسم کی جدوجہد حالات و زمانے کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مستقل مسلسل بنیادوں پر جاری و ساری کی جائے اور افراد کو اس جدوجہد کیلئے تیار کیا جائے، بصورت دیگر مقابل دیتے دیتے دین کا چہرہ مسخر ہو جائے گا۔

مقابل کی یہی تلاش سعودی عرب کے علماء اور مصر کے علماء یوسف قرضاوی جیسے جلیل القدر عالم کو اس مقام پر لے گئی کہ انہوں نے مقابل کے اس فلسفے کے تحت نکاح المیسار کی اجازت دے دی جس میں نہ خصتی ہوتی ہے، نہ شوہر پر ننان نفقہ کی ذمہ داری اور نہ ہی شوہر یہی کو گھر مہیا کرتا ہے۔ اس معاہدے کے مطابق یہی کہنیں اور رہتی ہے لیکن جب جنسی تقاضا درپیش ہوتا ہے تو میاں یہی رازداری کے ساتھ کہنیں جمع ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ معاہدہ متعہ مقابل ہے اور ظاہر ہے متعہ کا مقابل متعہ کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، خواہ اسے نکاح المیسار کا نام دیا جائے یا کچھ اور۔ یوسف قرضاوی صاحب اور بعض سعودی علماء نے نکاح المیسار کو حلال کرنے کے لیے وہی نقطہ نظر اختیار کیا جو معيشت کے میدان میں سودی بینکاری کے مقابل کے طور پر اسلامی بینکاری کے نام پر سامنے لایا گیا۔ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ سعودی عرب میں گھروں میں غیر ملکی عورتوں کو ملازمت کے آزادانہ اور وسیع موقع میہا کیے گئے، بجائے اس کے کہ علامہ یوسف قرضاوی صاحب اس طرز زندگی کی مخالفت کرتے اور غیر ملکی عورتوں سے خدمات لینے اور انھیں اپنے گھروں میں آزادانہ نقل و حرکت کے موقع میہا کرنے کی ثقافت کے خلاف آواز اٹھاتے، انہوں نے اس ملحوظ معاشرت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسئلے پر توجہ دی، مسئلے کو کل میں دیکھنے کے بجائے اس کا جزو دیکھا گیا۔ مسئلے کی بنیاد اور اساس ڈھانے کے بجائے اس اساس پر کھڑی ہوئی عمارت کے نقش و گاردرست کرنے پر توجہ دی گئی، کسی نے مغربی طرز زندگی اور عیش و عشرت کی سعودی معاشرت کو تلقید کا نشانہ نہیں بنایا۔ لوگوں کو متوجہ نہیں کیا گیا کہ اپنے گھروں کی حفاظت کرو، عورتوں کی تربیت نہیں کی کہ وہ عیش و عشرت کے

جائے گھر کے کام کا ج خود کریں، گھروں میں غیر ملکی عورتوں کو کھلے عام ملازمت دینے کی خلافت نہیں کی گئی، کسی نے یہ نہیں سوچا کہ مغربی طرز زندگی جو مغرب کو تباہ و بر باد کر چکا ہے جب سعودی عرب میں داخل ہو گا تو سعودی عرب کے اسلامی طرز زندگی، معاشرت، تہذیب و ثقافت کو بھی تباہ کر دے گا۔ مگر جب اس طرز زندگی نے سعودی خاندانی نظام کو تباہ کرنا شروع کیا تو اس مغربی طرز زندگی کو مسترد اور تباہ کرنے کے بجائے حیلوں کی بنیاد پر جواز کے فتوے دینے پر اکتفا کیا گیا۔ غیر ملکی عورتوں کی گھروں میں آمد سے جنسی تعلقات کے مسائل پیدا ہوئے اور اس مسئلے سے خالی زندگی پر نگین اثرات مرتب ہونے لگے۔ ان ملازمات اور خادماؤں سے لوگ جنسی استفادہ چاہتے تھے لیکن معاشرتی مجبوریوں اور گھر بیویوں باو کے باعث ان عورتوں سے نہ نکاح کر سکتے تھے نہ انھیں دوسرا شریک حیات کا درجہ دے سکتے تھے کیونکہ قانونی بیوی کے حقوق ایک نئی ذمہ داری میں اضافہ کرتے ہیں، یہ مرد چاہتے تھے کہ ان کی خجی خاندانی معاشرتی زندگی ان غیر ملکی عورتوں سے محفوظ رہے، ان کا ایمان بھی محفوظ رہے لیکن جنسی تقاضے بھی شرعی طور پر پورے ہو جائیں تاکہ زنا کاری کی تہمت سے بچا جائے۔ چونکہ مسئلہ مغربی طرز زندگی کو اختیار کرنے سے پیدا ہوا تھا لہذا اس طرز زندگی کو ترک کر کے اس مسئلے کی بنیاد کوڑھانے کے بجائے قرضاوی صاحب سے متعہ کا تبادل پوچھا گیا۔ علامہ یوسف قرضاوی صاحب نے تبادل کے جدید فلسفے کے تحت نکاح المیسا کی اجازت مرحت فرمادی، گویا نکاح کا مقصد صرف جنسی تسلیم ہرا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان سے لے کر سعودی عرب تک مغربی فکر و فلسفے سے ناواقف مفکرین اور جدیدیت پسند علماء اس قسم کے اجتہادات کر کے امت کی رہیں کہیں دین داری کو مغربیت میں سمو نے کافر یہ سرانجام دے رہے ہیں۔

☆ عمل کے بعد نظریہ وضع کرنے کا روایہ: اسلامی تبادل کے فلسفے کی ایک اہم خامی کسی مخصوص مردہ عمل کی توجیہہ فراہم کرنے کیلئے نظریات تیار کرنا ہے یعنی یہاں نظریے کی بنیاد پر عمل کی تشكیل نہیں کی جا رہی بلکہ عمل دیکھ کر نظریات بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے (theory is) following practice in case of Islamic alternatives (اس تمازن میں اگر اسلامی بینکاری کا جائزہ لیا جائے تو اسلامی بینکاری اصولی نظریات کے بجائے عذر اور رخصتوں پر مبنی تبادل ہے جہاں موجودہ بینکنگ کے طور طریقوں کو اسلامی لبادہ اوڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے اور فقه اسلامی کی روشنی میں ایسے معاملات وضع کرنے کی سعی کی جاتی ہے جنکے ذریعے مردہ بینکنگ کی زیادہ سے زیادہ خدمات اسلامی طریقوں سے رو بعمل کرنا ممکن ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آئے دن مردہ بینکنگ کی حرام قرار دی جانے والی خدمات کی لست سکرتی چلی جا رہی ہے (کبھی سعودی بینکاری کی ماندر اس المال کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے اسلامی بینک capital protected fund ایجاد کرتے ہیں تو کبھی سعودی نفع کی فراہمی کو یقینی بنانے کیلئے پیچیدہ نوع کے مراجعہ معاملات وضع کرتے ہیں)۔

مردہ اعمال کو جواز فراہم کرنے کیلئے نظریات وضع کرنے کے جنون کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ کسی ایک مخصوص فقه کے اصولوں کے اندر رہتے ہوئے مسائل کا حل تلاش کرنے کے معتبر اسلامی منہاج کو ترک کر کے چاروں مکاتب فقه سے بے با کی کے ساتھ خوشہ چینی کرنے کی روشن کو عام کیا جا رہا ہے اور بعض اوقات تو متروک احوال کو اختیار کرنے میں بھی جھپک محسوس نہیں کی جاتی۔ حیرت ہے جو علماء کرام دیگر مسائل فقه میں اس کثیر الفقه منہاج کے استعمال کو سختی سے منع کرتے اور اسے تلقی و ہوائے نفس سے تعبیر کرتے ہیں وہی علماء مختلف فہموں سے اپنے مطلب کے احوال جمع کر کے مردہ بینکنگ معاملات اور فائننشل خدمات کے اسلامی تبادل تیار کرنے میں ذرا بھر چکپا ہٹ محسوس نہیں کرتے اور اپنے اس طرز عمل کو 'کاسموپولیٹن' (Cosmopolitan) فقہ کا نام دیکھ فخر کرتے دکھائی دیتے ہیں، فاللعمج

☆ تبدیلی کے عمل کا غلط تصور: قابل عمل تبادل کا فلسفہ درحقیقت یہ مطالبہ کرتا ہے کہ پہلے ایک تبادل ادارتی صفت بندی کا مکمل نقشہ بتاؤ، اگر ہمیں وہ نقشہ پسند آیا تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے، یعنی یہ فلسفہ انسانی زندگی کی تبدیلی کو کسی واقعے (event) کی مانند گردانتا ہے۔ اس

مطابق کے مضمرات کی مثال یوں ہے کہ پہلے ایک مکان تیار کر کے دکھا اور پھر ہم اس میں داخل ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے یہ تصور غلط ہے کیونکہ معاشرتی و ریاضتی تبدیلی کوئی واقعہ نہیں بلکہ عمل (process) ہوتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ ادارتی صفت بندیاں انسانی تعلقات سے علی الرغم کہیں سے نازل نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ انسانی تعلقات کے نتیجے میں ارتقاء پر زیر (evolve) ہوتی ہیں۔ انسانی تعلقات کے وجود میں آئے بغیر عمل تبدیلی کے چند بنیادی اصول تو پڑ کے جاسکتے ہیں مگر اسکی تفصیل پیش کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً کارل مارکس نے لبرل سرمایہ داری پر تقيید کے بعد سو شلزم کے نام پر سرمایہ داری کا جو تبادل نظریہ پیش کیا تو وہ چند اصولوں سے زیادہ اور پچھنہ تھا (یہی وجہ ہے کہ جب سو شلزم کو عملاً برتابا گیا تو اسیں کی ترمیمات کی ضرورت پیش آئی جسکی وجہ سے مارکسزم کیئی تشریحات وجود میں آئیں)۔ لہذا مردہ نظام زندگی کے خلاف وضع کے جانے والے کسی درست اسلامی لائچے عمل پر یہ اعتراض کرنا کہ ’موجودہ دور میں یہ قابل عمل نہیں، کم فہمی کی علامت ہے۔ ظاہر ہے درست اسلامی لائچے عمل کبھی بھی باطل نظام کے ساتھ نہیں چل سکے گا اس کیلئے باطل کو ختم کرنے کی حکمت عملی لا ازاً اپنانا ہوگی۔ انہیاء کا مشن حالات کے تقاضوں کے مطابق اپنی تعلیمات کو ڈھالنا نہیں تھا بلکہ دنیا کو اسلام کے پیچھے چلانے کیلئے لوگوں کو تبدیل کرنا تھا۔ ظاہر ہے اسلام سے باطل تقاضوں کی تکمیل کے قابل عمل لائچے عمل کی امید رکھنا غلط روایہ ہے، اسلام کا مقصد زندگی کا ایسا لائچے عمل دینا ہے جسکے بعد لوگ جنت پہنچ جائیں، اب اسلام سے دنیاوی ترقی کا لائچے عمل مانگنا نادانی کے سوا اور پچھنہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ ’یہ لائچے عمل کہیں کامیابی کے ساتھ چلتا ہو انظر نہیں آتا‘ بھی بے معنی اعتراض ہے کیونکہ کسی لائچے عمل کو اپنائے بغیر اس کی نتیجہ خیزی پر سوال اٹھانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پھر ’کامیابی کے ساتھ چلنے‘ سے کیا مراد ہے؟ اگر کامیابی سے مراد یہ ہے کہ مجوزہ لائچے عمل سرمایہ دارانہ تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے برآ و نہیں تو یہ اعتراض کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام آزادی، مساوات اور ترقی کے جاہلناہ اصولوں پر مبنی معاشرت و ریاست کے تقاضے کبھی پورے نہیں کر سکتا۔ اسلام نے ان تقاضوں کی تکمیل کا وعدہ کیا ہی کہ تھا؟ اسلامی لائچے عمل کی کامیابی یہی ہے کہ افراد کے مرنے کے بعد انکے جنت پہنچنے کی امید زیادہ ہو جائے۔ ان اعتراضات کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دردرس کے علاج پر یہ اعتراض کرے کہ اس سے پہلے کا درد کیوں ٹھیک نہیں ہوتا اور اس دو کو استعمال کئے بغیر ہی اسکاثر ظاہر نہ ہونے کی شکایت کرنے لگے۔

☆ مخالفین کو نظر انداز کرنے کی روشن: ’قبل عمل تبادل‘ کا مطابقہ پیش کرنے والے مفکرین کا عومنی عملی روایہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کی تقيید کو یا تو کلیتاً نظر انداز کرتے ہیں اور یا پھر سنی ان سنبھال کر کے اپنے تین اختیار کردہ ’درست طرز عمل‘ پر کار فرمارہتے ہیں۔ اسلامی ماہرین معاشریت بظاہر یہ عاجز اندھوی کرتے ہیں کہ ہمارے طرز عمل میں اگر کوئی خرابی ہے تو یہیں مطلع کیا جائے ہم، ہتری لانے کی سرتوڑ کوشش کریں گے، مگر عملاً پچھلے بیس سالوں میں اسلامی بینکنگ کے خلاف درجنوں کتابیں اور سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مضمایں لکھے جا چکے ہیں مگر اسلامی بینکنگ کے ماہرین انہیں کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے دور حاضر کے تقاضے پورے کرنے پر پوری ڈھنڈائی کے ساتھ کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے جب کبھی مردہ اسلامی بینکنگ کے بجائے کوئی دوسرا تبادل پیش کیا جاتا ہے تو اسلامی ماہرین معاشریت اسے ’ناقابل عمل‘، قرار دیکر دیتے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر اب اسلامی ماہرین معاشریت یہ کہتے ہیں کہ ’جناب ہمارے طریقہ کار پر تقيید کرنے کے بجائے کوئی قابل عمل تبادل تجویز کیجئے بصورت دیگر آپ تقيید کرنے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ گویا جس عالم اور مفتی کے پاس کسی مسئلے کا تبادل اور وہ بھی سائل کے نزدیک ’قبل عمل کی صفت سے متصف‘ موجود نہ ہو اس سے فتویٰ دینے کا حق چھین لیا جانا چاہئے۔ اس انوکھے اصول کے مطابق ہمارے مدارس سے جاری کردہ ہزاروں فتوے کی قلم مسٹر ذقار پائیں گے، مثلاً بر صغیر میں بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث مکاتب فکر کے متعدد علماء کرام نے جمہوریت اور سو شلزم کو اسلام سے متصادم قرار دیکرائے باطل ہونے کا فتویٰ دینے کا حق چھین لیا تباہی، تو اس اصول کے

مطابق وہ تمام فتوے صدائے بازگشت قرار پائے۔ الغرض اس انوکھے اصول کی زد سے عالم اسلام کا کوئی مفتی نہ فوج سکے گا۔ یعنی اصول یہ ٹھہرا کہ کسی چیز کو حرام قرار دینے سے قبل مفتی پر یہ فرض ہے کہ وہ اس کا تبادل بتائے، اگر اس کے پاس تبادل نہیں ہے تو وہ فتوی نہ دے کیوں کہ دین باطل تقاضوں کو ختم کرنے نہیں بلکہ ہر چیز کا تبادل مہیا کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہ نقطہ نظر 'اسلام دین ہے' کے غلط مفہوم اور اسکے نتیجے میں پیدا ہونے والی معدودت خواہانہ جدیدیت کا شاہکار ہے جو اصل شریعت پر عمل کرنے کے بجائے صرف رخصت پر انحصار اور اسکے شرعی حلیل اختیار کر کے رخصت پر قائم و دائم رہنے کا ابدی طریقہ مہیا کرتا ہے۔

اسلامی بینکنگ پر کی جانے والی علمی تقدیر اور اپنی اصلاح سے نظریں چرانے کیلئے اسی نوع کا ایک اشکال یہ بھی وضع کر لیا گیا ہے کہ 'اسلامی بینکنگ' وغیرہ کے خلاف فتوے سے کام نہیں چلے گا، جب تک کوئی تبادل پیش نہیں کیا جائے گا اس وقت تک فتوے دینا عبث عمل ہے۔ تاریخ انبیاء میں بے شمار انبیاء ایسے گزرے کہ جن کے متبعین کی تعداد نہایت قلیل رہی، وہ اپنے مخاطبین کو منکرات سے روکتے رہے مگر امت کی غالب اکثریت باز نہ آئی، تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ وہ انبیاء حرام کا تبادل پیش کئے بغیر منکرات سے منع کرنے کا عبث کام کرتے رہے اور ان پر لازم تھا کہ امت کی آسانی کیلئے حرام تقاضوں کی تکمیل کیلئے شرعی تبادل پیش کرتے؟ دیکھئے تمام علماء کرام کا اجماعی فتوی ہے کہ آذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرنا حرام ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس فتوے کے باوجود آذان جمعہ کے بعد بازار نہیں ہوتے اور لوگ پورے انہاک سے خرید و فروخت میں مصروف رہتے ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ فتوی عبث ہے اور اس سے رجوع کر لیا جائے؟ اسی طرح تمام جید علماء کرام مخلوط تعلیمی اداروں کے خلاف فتوی دیتے ہیں، مگر اسکے باوجود آئے دن نئے نئے مخلوط تعلیمی ادارے وجود میں آ رہے ہیں تو کیا اس بناء پر کہ علماء کرام نے اسکوں، کانج یونیورسٹیاں تعمیر نہیں کیں لہذا اب مخلوط تعلیم کی حرمت ختم ہو جانے کا فتوی جاری کر دیا جائے؟ بات یہ ہے کہ فی الوقت علماء کرام کے پاس احکامات صادر کرنے کی علیمت و صلاحیت تو موجود ہے البتہ ان صادر شدہ احکامات کو نافذ کرنے کیلئے مطلوبہ نظام جبر موجود نہیں اور یہی وجہ ہے کہ انکے دیئے گئے فتووں کے مطابق عمل دکھائی نہیں دیتا۔ ریاست یعنی نظام اقتدار در حقیقت دو اعمال (processes) کا نام ہے اولًا کسی مخصوص علمیت کے مطابق احکامات کے صدور اور دوام اُنکے نفاذ کو مکن بنانے کیلئے ادارتی صفت بندی وجود میں لانا۔ چونکہ دور حاضر میں اجتماعی ریاستی فیصلوں کو علوم دینیہ کی سر پرستی حاصل نہیں رہی لہذا اعلماء کرام کے بہت سے فتوے بے اثر دکھائی دینے لگے ہیں، مگر فی الحال نفاذ احکامات کی صلاحیت نہ ہونے کا یہ مطلب کس منطقی اصول سے نکل آیا کہ احکامات کا صدور بھی بند کر دیا جائے؟ اسلامی تاریخ کے تسلسل کی سب سے بڑی دلیل ہی یہ ہے کہ خلافت راشدہ سے لیکر آج تک ایک بھی دن ایسا نہیں گزرا کہ جب صدور احکامات کا عمل معطل ہو گیا ہو۔

پھر عصر حاضر کے جس مسلمان کیلئے 'قابل عمل اسلامی تبادل'، فراہم کئے جا رہے ہیں اسکی ذہنی کیفیت اور قلبی حالت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔ عہد رسالت آب ﷺ میں جب شراب پر مکمل پابندی کا حکم آیا تو احادیث اور تواریخ کی کتب میں درج ہے کہ شراب کی ممانعت کا حکم ملتہ ہی لوگوں نے شراب کے منکعے توڑ دیئے اور مددینے کی گلیوں میں شراب بہرہ ری تھی۔ صحابہ کرامؐ میں سے کسی ایک بھی صحابی نے رسول ﷺ سے شراب کا تبادل نہ نہیں پوچھا اور نہ ہی کسی صحابی نے یہ سوال کیا کہ میں شراب کا کاروبار کرتا ہوں، اسی کی خرید و فروخت سے میرا رزق وابستہ ہے، میں بھوکا رہوں گا، کہاں سے کھاؤں گا، میرے بیوی بچے اور میمعشت خطرے میں ہے، حرام کے لیے تبادل کا تصور بھی کسی صحابی رسول ﷺ کے ذہن میں نہیں آیا۔ اس کے برعکس عصر حاضر کے مسلمان یعنی جدید مسلم [Modern Muslim] کا حال یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے پنجاب میں پتگلوں کی ڈوروں سے لوگوں کے مرنے، رخنی ہونے اور معدور ہو جانے کے سیکٹروں واقعات پر از خود کارروائی کرتے ہوئے پتگ سازی پر پابندی لگادی تو ہزاروں عورتیں اور مرد سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف اسلام آباد میں احتجاج کر رہے تھے کہ کاروبار بند ہونے سے ہم

بھوکے مر جائیں گے لہذا حکم واپس لوگ مرتے ہیں تو مریں۔ اب ایسے مسلمانوں کی اصلاح کرنے کے بجائے دین کی اصلاح کر کے پنگ بازی کے 'اسلامی طریقے' پیش کرنے کی فکر کرنا کہاں کی خدمت اسلام ہے؟

اصولی بات یہ ہے کہ مروجہ نظام کے تقاضے پورا کرنے کی جو بھی حکمت عملی اپنائی جائے گی وہ اسی نظام کی تصویر و تائید کا ہی باعث بنے گی نہ کہ اسکے انہدام کا۔ لہذا ضروری ہے کہ 'اسلامی' شخصیت، معاشرت و ریاست کے احیاء کی ایسی جدوجہد مرتب کی جائے کہ موجودہ نظام زندگی (life-world) نیست و نابود ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حقیقت حال سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے